محمد حسنین اشرف

ذات باری تعالیٰ پر صفاتی اعتراضات کا اجمالی جائزہ[1]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خالق کا انکار تو شاید ہی کوئی ذی ہوش کر پائے، کسی نہ کسی شکل میں، کسی نہ کسی صورت میں لوگ خالق کے تصور کو مانتے ہیں۔ کہیں یہ تصور یکتائی کے لبادے میں ملبوس ملتا ہے اور کہیں اسی یکتا نے ایک سے زائد دیوی دیوتاؤں کو کائنات کی باگ ڈور سونپ دی ہے۔ کوئی اس کائنات سے ماوراہستی کو خدا مانتا ہے اور کوئی اسی کائنات کے خدا ہونے پر مصر ہے۔ خالق یا خدا کا انسانوں سے تعلق ہمیشہ سے ہے اور شاید آنے والے وقتوں میں کسی نہ کسی شکل میں یہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ انسان چونکہ نہ تو ہمیشہ سے ہے اور نہ ہمیشہ رہے گا، اس لیے بطور مخلوق ایک خالق کی تلاش اسے ہمیشہ رہے گی، یہاں تک کہ وہ موت کو ہمیشہ کے لیے موت دے دے۔

عام طور پر لوگ خالق کا انکار نہیں کرتے، وہ اس مذہبی خدا کا انکار کرتے ہیں جو شخصیت رکھتا ہے، جسے بیان کیا جا سکتا ہے، جو کلام کرتا ہے، اتمام حجت کرتا ہے، قیامت صغریٰ برپا کرتا ہے۔ وہ خدا جو مذہب دیتا ہے، پابندیاں لگاتا ہے، وعیدیں سناتا ہے اور خوش خبریاں دیتا ہے۔ آسان لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ لوگ جب خدا کا انکار کرتے ہیں تو وہ اصل میں خدا کا انکار نہیں کرتے، بلکہ میرے یا آپ کے خدا کا انکار کرتے ہیں۔ 'خدا نہیں ہے'، کا مطلب ہے کہ تم جس خدا کی دعوت دے رہے ہو یا جس کی خبر مذہب دے رہا ہے، وہ خدا موجود نہیں

۱۔ اس مضمون کا مقصد وجود پر بحث نہیں، بلکہ وجود کی صفات پر اٹھنے والے اعتراضات کا اجمالی جائزہ ہے۔

ہے۔ اب ان تمام صفات سے ماورا کسی ہستی کو لے آیئے اور ایک ملحد سے پوچھیے تو وہ اپنے مخلوق ہونے اور یوں اسی وجود سے خالق کی دلیل کو نہایت آسانی سے مان لیں گے۔ لیکن مذہبی خدا چونکہ صفات کا حامل ہے اور وہ صفات وقت کے ساتھ ساتھ در آنے والی فکری تبدیلیوں کے نتیجے میں غیر متعلق ہوتی چلی جاتی ہیں، اس لیے ان پر صفاتی اعتراضات کی لمبی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

وجود باری تعالیٰ پر یوں تو کئی رخ سے ہزاروں اعتراضات کیے جاتے ہیں، لیکن فی الحال موضوع بحث، وجود خدا کا وہ پہلو ہے جس پر سب سے زیادہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ صفاتی پہلو ہے، مثلاً ایک رحیم و کریم خدا کیوں کر ایک بچے کو کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا کر دے گا؟ یا ایک رحیم و کریم خدا کیوں کر اپنے بندوں کو تکالیف میں دیکھ سکتا ہے؟ یا ایک خدا اپنے آپ کو سجدہ کروا کر کیوں خوش ہوتا ہے؟ وہ شرک سے حسد کیوں محسوس کرتا ہے؟ وہ چھوٹی چھوٹی غلطی پر کیوں برہم ہو جاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

انسانی فہم کا ایک بڑا نقص یہ بھی ہے کہ اسے کسی بھی نامعلوم چیز کے ادراک کے لیے ایک شبیہ درکار ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ کسی نئی چیز کو سمجھ نہیں سکتا، یعنی اگر میں لفظ 'سیب' کہوں اور سننے والے نے سیب نہ دیکھ رکھا ہو تو مجھے یا تو اب سیب دکھا کر یا اس کی کوئی شبیہ بنا کر سامنے لانی ہو گی۔ شبیہ کے بغیر جملہ کچھ یوں بنے گا کہ سیب گیند سا گول، انار سا سرخ، شکر سا میٹھا اور آم سا رس بھرا ہوتا ہے۔ یہ تمام صفات سیب کی ذاتی نہیں ہیں، لیکن ان صفات کو ادھار لیا گیا تاکہ سامع پر وجود، صفات کے اعتبار سے واضح ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا تخیل جیسا کیسا بھی بے ترتیب ہو، وہ ان جہتوں سے باہر نہیں جھانک سکتا جو معلوم ہیں۔ اس کے لیے ایک دوسری مثال نہایت کارآمد ہو سکتی ہے، جیسے کہ اگر مجھے کسی کو بتانا ہو کہ میں نے کس رنگ کی پتلون پہنی ہے تو ضروری ہے کہ یا تو وہ رنگ دکھا دیا جائے یا کسی چیز سے تشبیہ دے دی جائے۔ تو جملہ کچھ یوں ہو گا کہ میں نے آسمانی (آسمان کے رنگ جیسی، نیلی) یا گلابی (گلاب کے رنگ جیسی، گلابی) رنگ کی پتلون یا قمیص پہنی ہے۔ اب ذرا غور کیجیے تو اندازہ ہو گا کہ آپ جس گلابی رنگ میں ملبوس ہیں اور وہ گلاب (پھول) جس سے تشبیہ دی ہے، دونوں کے رنگ میں خاصا فرق ہو سکتا ہے۔ چونکہ شبیہ کا مقصد بعینہٖ وہی چیز دکھانا نہیں، بلکہ سمجھانے کے لیے اس کے قریب ترین چیز کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی مذہب، رسول، پیغمبر یا گرو

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نے خدا کی پہچان کروانے کی کوشش کی ہے تو وہ معلوم انسانی صفات کے اندر رہ کر ہی ممکن ہو سکا ہے، وگرنہ اول تو یہ تصور سمجھ میں ہی نہ آتا اور اگر آتا تو ایسا بے ڈھنگا ہوتا کہ اس خدا سے تعلق کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکتی۔ جدید دنیا میں بھی اگر آپ کچھ آوازیں سنیں تو چند اگناسٹک بھی خدا کے سائنس دان یا ریاضی دان ہونے کی نوید دیتے ہیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی چند معلوم صفات کو مستعار لے کر خدا کے وجود کو بیان کر رہے ہیں جو جدید انسان کے پیش نظر ہیں۔ بس فرق صرف یہ ہے کہ قدیم انسان خدا کے بڑے بڑے ہاتھ اور پاؤں ہونے پر قانع تھا جب کہ جدید انسان خدا کے بڑا دماغ ہونے پر مصر ہے۔

آپ کسی دور کے خداؤں یا دیوی دیوتاؤں کا مطالعہ کیجیے تو اندازہ ہو گا کہ اس دور کے خدا اصل میں اسی دور کی صفات اور اس دور کے لوگوں کی ذہنی ساخت کے بہت زیادہ قریب ہیں۔ اس پر یہ قیاس نہایت غیر علمی ہو گا کہ اس دور کے خداؤں کی صفات چونکہ اس دور کے لوگوں کی ذہنی ساخت اور علمی مقام کے زیادہ قریب ہیں تو ہو نہ ہو یہ محض ان کے تخیل کی پیداوار ہو گی۔ اس کی صرف اور صرف وجہ، کسی بھی شخصیت کو معلوم صفات سے ہٹ کر سمجھ نہ سکنا ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ وہ جس خدا کو مانتا ہے، وہ 'دریم' ہے تو اب اسے اس بات کی وضاحت انھی صفات سے کرنا پڑے گی جو معروف ہیں۔ اس کے بغیر اس کا تصور خدا معاشرے کے لیے قابل قبول نہ ہو گا۔ اب یہ بتانا ہو گا کہ دریم، رحیم کے قریب قریب کی چیز ہے یا اس کے برعکس کوئی کیفیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی و رومی خدا، آپس میں لڑتے جھگڑتے، چوریاں کرتے، یہاں تک کہ انسانی عورتوں کی محبت میں گرفتار ہو جاتے تھے۔ اس وقت کے ذہن کے لیے خدا کو ان صفات کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں تھا۔ یعنی یہ کیسے ممکن ہو کہ ایک خدا طاقت ور ہو اور وہ چوری کر کے اپنی ضرورت نہ پوری کر پائے، یہ کیسے ممکن ہو کہ ایک خدا طاقت ور ہو اور وہ اپنی جنس کی آگ نہ بجھا پائے۔ بالکل ایسے ہی، جیسے آج کے ذہن کے لیے خدا کو سائنس اور ریاضی کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ جدید دور میں خدا جو بھی ہو، لیکن وہ ذہین ہو گا تو ہی ایسی لاجواب کائنات بنا پائے گا، کیونکہ ریاضی کے پیچیدہ فارمولے جانے بغیر ایسی کائنات کو وجود بخشا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لیے اگر کوئی خدا ہے تو وہ ذہین ہونا چاہیے، وہ مساوات کا قائل ہونا چاہیے، وہ حاسد نہ ہو، ذرا ذرا سی بات پر انسانوں پر برہم نہ ہو، اس کے علاوہ خدا کا اخلاقی اور جمالیاتی وجود کمال کو پہنچا ہو۔ یہ وہ تمام صفات ہیں جن سے متعلق جدید معاشرے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بہت زیادہ حساس ہیں۔ اب ذرا رومی اور یونانی معاشروں کی اقدار کا موازنہ ان کے خداؤں کی خصوصیات سے کیجیے، ان کے خدا خون ریزی کو پسند کرتے ہیں، لڑتے ہیں، جھگڑتے ہیں۔ بالکل اسی طرح آج اگر کوئی یہ کہہ دے کہ خدا نے ایک منتر پڑھا اور ایک دھواں بلند ہوا اور یہ کائنات بن گئی تو یہ بات قابل قبول نہیں ہو گی، کیونکہ جدید ذہن کے لیے ایسی صفات کا حامل خدا قدیم خدا ہے، اس لیے نہیں کہ قدیم خدا کم طاقت ور ہے، بلکہ اس لیے کہ قدیم خدا جدید تقاضوں پر پورا نہیں اترتا۔ جدید خدا کا سائنسی ہونا ضروری ہے۔ اس کی سب سے واضح مثال، اس بات پر اصرار ہے کہ خدا کو ان دو آنکھوں سے نظر آنا چاہیے۔ آج کے انسان کا مطالبہ ہے کہ خدا اسے ہی مانا جا سکتا ہے جو جدید صفات رکھتا ہو، یعنی اگر وہ وجود رکھتا ہو تو اس کا وجود مادی ہونا چاہیے اور اس مادے کی صفات بھی وہ ہونی چاہییں جو ایک جدید انسان کے لیے قابل قبول ہوں۔ رچرڈ ڈاکنز، مشہور ماہر طبیعات ڈاکٹر براون گرین کے سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

Even the deistic God who sets the laws in place and withdraws, if those laws, if the implication is that those laws were cunningly designed, were cunningly crafted as many people think they were, so that atom should come into existence, so that chemistry should come into existence, so that stars should come into existence, so that nuclear reactions and stars could produce the elements, so that they did explode and we get a suitable chemistry to make life and the origin of life and so on. If the deistic god thought all that through and set up laws of physics then he would have to be damn clever. He would have to be the physicist and all physicist. I don't care if he then withdraws, he needs an explanation in his own right, and it seems to me that noble scientific enterprise is to start from near nothing

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

as you can get.

"ایک ایسا خدا جس نے یہ کائناتی قوانین بنائے اور خود پیچھے ہٹ گیا، اگر ان قوانین کی صورت یہ ہے کہ وہ نہایت ماہرانہ طریقے سے بنائے گئے ہیں، جیسا کہ بہت سے لوگ سوچتے ہیں، تاکہ ایٹم وجود میں آسکے، کیمسٹری وجود میں آسکے، ستارے وجود میں آسکیں، نیوکلیئر ری ایکشن اور ستارے نئے ایلیمنٹس کو وجود دے سکیں، تاکہ وہ تمام پھٹیں اور ہمیں ایک موزوں کیمسٹری مل جائے جس سے زندگی کو وجود بخشا جاسکے اور زندگی کے آغاز کے عمل کو شروع کیا جاسکے۔ اگر ڈی ایسٹک خدا نے یہ سب سوچا اور طبعی قوانین ترتیب دیے تو اس خدا کو نہایت چالاک ہونے کی ضرورت ہے۔ اسے پھر ایک طبعیات دان اور طبعیات دان ہی ہونے کی ضرورت ہے۔ مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس کے بعد وہ پیچھے ہٹ جائے، لیکن اسے اپنی طرف سے ایک وضاحت دینے کی ضرورت ہے، اور یہ مجھے لگتا ہے کہ مقدس سائنسی ادارے کو قریب قریب کچھ نہیں سے شروع کرنا چاہیے جہاں تک وہ جاسکتا ہے۔"

ایک بات جسے سمجھنا ضروری ہے کہ یہ اصرار کہ کوئی چیز ہمارے بنائے پیمانے پر اترے گی تو ہی قابل قبول ہوگی، ایک نہایت نامناسب بات ہے، کیونکہ جیسے قدیم انسان کے پیمانے غلط ہوسکتے ہیں، اسی طرح جدید انسان کے بھی غلط ہوسکتے ہیں اور اسی طرح جدید صفات رکھنے والے خدا پر بھی بہت سے اعتراضات وارد ہوسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں کیا سمجھتا اور مانتا ہوں، سچائی اس سے بہت دور کھڑی ہوتی ہے۔ دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ صفات پر اعتراض سے ذات کو جھٹلایا نہیں جاسکتا، جیسا کہ اوپر والی مثال میں سیب کی چند مستعار شدہ صفات مذکور ہیں۔ اب اگر آپ سامع کو سیب پیش کریں اور وہ اس رخ پر استدلال کرے کہ یہ نہ تو شکر کے ذائقہ کی طرح میٹھا ہے اور نہ آم کی ہیئت کے مساوی رس بھرا اور اس کا رنگ بھی انار والا سرخ نہیں، اس لیے یہ سیب تو نہیں ہوسکتا، تو یہ ایک درست استدلال نہیں ہوگا۔

جدید ذہن کے لیے دوسرا بڑا چیلنج ذاتی صفات اور ایک عہدے کے تقاضوں میں فرق نہ کرسکنا ہے، موخر الذکر کے لیے کوئی خاص اصطلاح میرے ذہن میں نہیں ہے، اس لیے قاری کو چاہیے کہ وہ اسی پر قناعت کرے۔ مذہب خدا سے متعلق جن صفات کو بیان کرتا ہے، وہ تمام صفات، مستعار ہی سہی، لیکن ان میں سے بعض پھر بھی قابل قبول نہیں ہوسکتیں۔ جیسے بچے کو کینسر کا ہونا، انسان کا مصیبت میں مبتلا ہونا، ذرا سی غلطی پر ہمیشہ کی

www.javedahmadghamidi.com www.almawrid.org

آگ میں ڈال دینا اور اندھی تقلید والوں کو جنت میں ڈال دینا۔ یہ بات تو خیر مانی جا سکتی ہے کہ خدا کی صفت رحمت اور صفت قہر کا ظہور یہ تمام چیزیں انسانی صفت کے ظہور کی سی نہیں ہوں گی۔ اس سب کے باوجود خدا کی صفات کے ایسے مظاہر بہر حال جدید انسان کے لیے ناقابل قبول ہیں۔

ہمارے ہاں ہر وہ چیز جو کسی سے صادر ہو رہی ہے، اسے اس ذات سے منسلک کر دیا جاتا ہے، حالاں کہ بہت سی چیزیں محض کسی عہدے کا تقاضا بھی ہو سکتی ہیں۔ اسے ایک مثال سے سمجھتے ہیں، ایک جمہوری ریاست کی فضا میں کسی دوسری ریاست یا ملک کا جنگی جہاز آن وارد ہو تو فضائیہ کا سربراہ اس جہاز کو مار گرانے کا حکم دے گا۔ وارننگ دینے کے بعد جہاز کو مار گرایا جاتا ہے، بعد میں معلوم پڑتا ہے کہ تکنیکی خرابی کی وجہ سے جہاز ران اس وارننگ سے بے خبر رہا، ایک پورا خاندان برباد ہو گیا اور ایک جان چلی گئی یا جس جہاز ران نے اپنے سربراہ کے حکم پر غیر ملکی جہاز کو مار گراتے ہوئے ایک جان لے لی، کیا وہ اپنی ذات میں قاتل ہے یا یہ اس کے عہدے کا تقاضا ہے؟ اور کیا فضائیہ کے سربراہ کی یہ ذاتی صفت ہے کہ وہ بے گناہ لوگوں کی جان لیتا ہے یا یہ اس کے عہدے کا تقاضا ہے؟ اسے بادشاہ کی مثال سے ہی سمجھتے ہیں، ایک بادشاہ اپنی سلطنت میں لوگوں کے ساتھ سخت سے سخت معاملات کرتا ہے، وہ لوگوں کو دار پر چڑھا دیتا ہے، حملہ آور فوجوں کو مارتا ہے کچھ کو قید کر لیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ بادشاہ کی ذاتی صفت ہے کہ وہ لوگوں کو دار پر چڑھا دیتا ہے، اس کے ملک میں در آنے والی فوجوں کو مار دیتا ہے اور بغاوت کرنے والوں کو کچل دیتا ہے؟ یا یہ اس کے عہدے کا تقاضا ہے؟

اسی طرح خدا پر صفاتی اعتراضات سے قبل ضروری ہے کہ سمجھ لیا جائے کہ خدا محض خالق نہیں، بلکہ وہ ایک منصف بھی ہے، اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ایک دن ایک عدالت برپا کرے گا۔ اس نے یہ اعلان کیا ہے کہ یہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ اس اسکیم کو سمجھنے کے بعد، اب جو صفات بیان کی جا رہی ہیں اور ان کے مظاہر کو پرکھا جانا چاہیے۔ خدا کو محض خالق کی عینک سے نہیں، ایک ممتحن، ایک منصف اور بادشاہ کی عینک سے دیکھا جانا چاہیے تو شاید یہ کہنا درست ہو کہ ایک بچے کو کینسر میں مبتلا کر دینا، بچے کا امتحان نہیں ہے، والدین کا امتحان ہے۔ سزا دینا اس لیے ضروری ہے کہ انصاف کا تقاضا ہے کہ زیادتی کرنے والے کو سزا دی جائے۔ اور وہ شرک پر سزا اس لیے دیتا ہے کہ جانتے بوجھتے اس کے بندے اس پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک خدا ہونے کا تقاضا ہے کہ دنیا سرنگوں ہو، سجدہ ریز ہو۔ واللہ أعلم و أنا لا أعلم۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org